

مقالات

حدیث نبوی سے شرائع کا استنباط

از افادات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ

(ماخوذ از حجتہ اللہ الباقیہ)

علوم نبوی کی اقسام | نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ مروی ہے اور کتب حدیث میں جمع کیا گیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

ایک وہ جو تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں ہے۔ اسی کے متعلق قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے کہ مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (رسول تم کو جو کچھ دے اسے لو اور جس سے روک دے اس سے رک جاؤ) اس سلسلہ میں بہت سی چیزیں آجاتی ہیں۔ مثلاً آپ نے علوم معاد اور عجائب ملکوت جو کچھ بیان کئے وہ سراسر وحی کی سند پر ہیں اور اجتہاد کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ شرعی احکام اور عبادت کے ضوابط اور تمدنی معاملات کے متعلق جو ہدایات آپ نے دیں ان میں سے بعض وحی پر مبنی ہیں اور بعض کے اجتہاد پر مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد بھی بمنزلہ وحی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس بات سے محفوظ کر دیا تھا کہ آپ کسی غلط رائے پر جم جائیں۔ پھر یہ گمان کرنا بھی صحیح نہیں کہ آپ کا اجتہاد منصوص استنباط کے طور پر تھا بلکہ صحیح تر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی تعلیم و ہدایت سے مقاصد شرعیہ اور قانونیہ تشریح اور اصول تفسیریہ احکام پر جمنا چاہوی ہو چکے تھے اس لیے آپ جو کچھ بھی اجتہاد فرمایا مقصودہ اسی آپ ہی پر رہی ہوتا تھا۔ اسی سلسلہ میں حکمت اور مصلحت کی وہ باتیں بھی داخل ہیں جو حضور نے برسبیل عموم و اطلاق بیان کی ہیں، اور جن کے لیے آپ نے حدود اور ضوابط مقرر نہیں فرمائے ہیں، مثلاً اخلاق صالحہ اور فضائل مذمومہ اور فضائل اعمال اور مناقب عمال وغیرہ۔ ان

میں وحی پر مبنی ہیں اور بعض اجتہاد پر مگر ان معاملات میں بھی آپ کا اجتہاد اس معنی میں نہیں ہے کہ آپ نے دنیوی حکم کی طرح غور و خوض کر کے کسی چیز کو اچھا اور کسی کو بُرا ٹھہرایا ہو، اور اس میں غلطی کا امکان ہو۔ لکن وہ اس معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب میں مصالح عباد اور قوانین ارتفاق کا علم بھردیا تھا اور یہی علم اس حکمت خداوندانی کا منبع تھا جس سے آپ کلیات اخذ کرتے تھے اور ان سے جزئیات نکالتے تھے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق تبلیغ رسالت کے سلسلے میں ہے۔ ایسی کے متعلق حضور نے فرمایا کہ۔
 انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من دینکم فخذوا بہ و اذا امرتکم بشئ من رای فانما انا بشر ان میں ایک انسان ہوں۔ جب میں تم کو دین کی کسی بات کا حکم دوں تو اس کی پیروی کرو۔ اور جب اپنی رائے سے کوئی بات کہوں تو میری حیثیت ایک انسان ہی کی ہے (اور اس کی طرف حضور کا وہ ارشاد بھی اشارہ کرتا ہے جو آپ نے درختِ فرا کو کا بھ لگانے کے سلسلے میں فرمایا تھا کہ فانی ظننت ظناً ولا تو اخذونی بالظن ولكن انا احد شتکم عن الله شیئاً فخذوا بہ فانی لمر ا کذب علی الله۔) میں نے تو ایک بات اپنے گمان سے کہی تھی اور تم میرے گمان پر گرفت نہ کرو۔ البتہ جب میں کوئی بات خدا کی طرف سے کہوں تو اس کی پیروی کرو کیونکہ میں نے خدا پر کبھی جھوٹ نہیں باندھا، اس دوسری قسم کے علوم میں بہت سی چیزیں ہیں، مثلاً حدیث کے وہ ابواب جو طب سے تعلق رکھتے ہیں، اور آپ کا وہ ارشاد کہ تم فلاں قسم کے گھوڑے استعمال کرو۔ ان چیزوں کی بنا تجربہ پر تھی نہ کہ وحی یا اجتہاد نبوی پر۔ اسی طرح آپ کے وہ افعال جو آپ نے عادت کے طور پر کیے ہیں نہ کہ عبادت کے طور پر یا اتفاقاً کیے ہیں نہ کہ قصداً یا وہ باتیں جو آپ نے اسی طریقہ سے بیان کی ہیں جس طریقہ پر آپ کی قوم کے لوگ بیان کیا کرتے تھے۔ مثلاً ام ذرع کا قصہ اور خرافہ کا قصہ کہ ان چیزوں کا بھی کوئی تعلق تبلیغ رسالت سے نہیں ہے۔ حضرت زبیر بن ثابت کے پاس ایک مرتبہ چند لوگ حاضر ہوئے اور انہوں نے فرمائش کی کہ ہمیں رسول اللہ

کی باتیں سنائیے جو اب میں حضرت زید نے فرمایا کہ میں حضور کا پڑوسی تھا۔ جب آپ پر کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے اور میں اس وحی کو لکھ دیتا تھا۔ پھر آپ کی صحبت میں مجھے کربیم دنیا کا ذکر کرتے تو آپ بھی ہمارے ساتھ اس ذکر میں شریک ہو جاتے تھے، اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو آپ اس میں بھی ہمارے ساتھ حصہ لیتے تھے، اور جب ہم کھانے کا ذکر کرتے تو آپ اس میں بھی ہمارے ساتھ دیتے تھے۔ اب کیا میں یہ سب باتیں احادیث رسول کی حیثیت سے تمہارے سامنے بیان کر دوں؟ اس قول میں حضرت زید کی مراد حضور کی ایسی ہی باتوں سے تھی جو آپ بحیثیت ایک انسان کے اپنے گھر میں یا اپنے دوستوں کی صحبت میں کیا کرتے تھے اور جن کا تعلق تبلیغ رسالت سے نہ تھا۔

اسی سلسلہ میں وہ کام بھی آجاتے ہیں جو حضور نے اپنے عہد کی کسی جزئی مصلحت کی خاطر کیے تھے اور جو تمام امت کے لیے امور لازمہ میں سے نہیں ہیں۔ اس قسم کے کاموں کی حیثیت ایسی ہے جیسے خلیفہ وقت اپنے زمانہ کی ضرورتوں کے لحاظ سے فوجوں کی صفت آرائی کے لیے کوئی خاص طریقہ مقرر کرے یا اپنی فوج کے لیے کوئی خاص شعار معین کرے کہ یہ چیزیں بعد دلوں کے لئے لازم نہیں ہوتیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی بنا پر فرمایا تھا کہ اب ہم کو طواف میں آکر کرچلنے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو ہم ایک خاص قوم پر اپنی قوت کے اظہار کے لیے کرتے تھے، اور وہ قوم اب ہلاک ہو چکی ہے، مگر بعد میں آپ نے محض اس خوف سے یہ رائے واپس لے لی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ اور مقصد بھی ہوا۔ وہ ہماری سمجھ میں نہ آیا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے احکام اسی قبیل سے شمار کیے گئے ہیں۔ مثلاً آپ کا یہ ارشاد کہ جو شخص کسی کو جہاد میں قتل کرے اس کے کپڑے اور ہتھیار وغیرہ اسی کو دیے جائیں۔ یا مثلاً آپ کے خاص فیصلے جو آپ نے خاص معاملات میں فرمائے تھے کہ مقدمات میں انہی کی پیروی لازم نہیں ہے بلکہ ہر مقدمہ کا فیصلہ ثبوت اور شہادت کی بنا پر کرنا ضروری ہے۔ اسی کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قول میں اشارہ

کیا ہے جو آپ نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ ”غائب ان سب چیزوں کو نہیں دیکھ سکتا جو حاضر کے پیش نظر ^{ہیں} مصالح اور شرائع کا فرق | شایع نے ہم کو دو قسم کے علم سے ہیں جن کے احکام باہم مختلف اور جن کے مواقع باہم متباہن ہیں۔

ایک قسم کا علم وہ ہے جو مصالح اور مفاسد سے تعلق رکھتا ہے یعنی وہ علم جس میں شایع نے ہم کو اخلاق، فاضلہ کے اکتساب اور خصالِ رذیہ کے ازالہ سے تہذیب نفس کے طریقے بتائے ہیں اور تدبیریں نزل اور آدابِ معاش اور سیاستِ مدینہ کے متعلق ہدایات دی ہیں۔ اس علم میں تمام ترکلیات اور اصول ہیں کسی چیز کی مقدار معین نہیں کی گئی، نہ کوئی ایسا ضابطہ بنایا گیا ہے جو ہر ایک چیز کی حد معین کرتا ہو نہ ایسی تفصیلات دی گئی ہیں جن میں ہر جزئیہ دوسرے جزئیہ سے ممتاز ہو۔ بلکہ عمومیت کے ساتھ خفائے کی طرف رغبت اور ردائے نفرت دلائی گئی ہے، اور کلام اس طرز پر کیا گیا ہے کہ ہر شخص جو زبان سے واقف ہے اس کا مفہوم خود سمجھ سکتا ہے، اور ہر شخص جو نفسِ مصلحت یا نفسِ مفدہ کو جانتا ہے وہ خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ کس موقع پر کیا کس حد تک مطلوب ہے یا قابلِ حذر ہے۔ مثال کے طور پر کیا سیاست اور شجاعت کی مدح کی گئی اور رفق و محبت کا حکم دیا گیا اور عیثت میں اقتصاد کی ہدایت کی گئی مگر یہ نہیں بتایا گیا کہ ان چیزوں کی حد کیا ہے جس تک پہنچنے کی کوشش کی جائے، اور ان کی عملی صورتیں کون کونسی ہیں جنہیں اختیار کیا جائے، اور ان میں کوتاہیاں کونسی ہیں جن سے پرہیز کیا جائے۔

در اصل شایع کے پیش نظر تین مقاصد ہیں جن کی طرف تمام احکام اور ہدایات کا مرجع ہے:-

- ۱۔ تہذیب نفس، ان اخلاق و خصال کے ذریعہ سے جو دنیا اور آخرت میں نافع ہیں۔
- ۲۔ اعلیٰ کلمہ حق اور تمکینِ شریع اور اشاعتِ دین حق۔

۳۔ بندگانِ خدا کے معاملات کا انتظام اور ان کے طرز عمل کی شایستگی اور ان کو ایک دوسرے

کی مصلحتوں میں مددگار بنانا۔

برہمبھلائی جس پر شارع نے ہم اُبھارا ہے اور ہر برائی جس سے اس نے ہمیں روکا ہے، اسی حیثیت سے بھلی یا بری ہے کہ وہ ان مقاصدِ اصلیہ میں سے کسی ایک یا سب کے موافق یا مخالف ہو۔ جو چیز ان کی طرف سے جانے والی ہو وہ بھلی ہے اور شارع چاہتا ہے کہ اس کو اختیار کیا جائے اور جو چیز ان کے حصول میں مانع ہو، اس سے اندیشہ ہو کہ وہ مانع ہو سکتی ہے، یا جو اپنی فطرت کے اختیار سے ایسی ہو کہ ان مقاصد سے انسان کو پھیر دینا ہی اس کا خاصہ ہو، یا جس کا تعلق عادتاً ان مقاصد کے اُضداد ہی سے رہا ہو، وہ شارع کی نگاہ میں بُری ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ انسان اس سے بچے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کا تعلق ان مصالح سے اور اس کی ناراضی کا تعلق ان مفسد سے دائمی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت سے پہلے اور بعد یکساں رہا ہے۔ اگر یہ دائمی تعلق نہ ہوتا تو انبیاء علیہم السلام بھیجے ہی نہ جاتے۔ شرائع اور حدود فی نفسہ مقصود نہیں ہیں کہ محض ان کے لیے انسان کو مکلف کرنے اور ان پر انسان سے مواخذہ کرنے کی خاطر انبیاء کو مبعوث کیا جاتا۔ دراصل یہ مصالح اور مفسد چونکہ نفسِ انسانی کی تہذیب یا تلویث کے موجب تھے اور نوعِ انسانی کی فلاح یا خسران سے ان کا گہرا تعلق تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اس کا مقتضی ہوا کہ ایسے برگزیدہ نفوس بھیجے جو بنی آدم کو ان چیزوں سے خبردار کریں جو ان کے لیے اہمیت رکھتی ہیں، اور ان چیزوں پر مکلف کریں جو ان کے لیے ناگزیر ہیں۔ اور چونکہ یہ مقصد بغیر اس کے حاصل نہیں ہو سکتا تھا کہ لوگوں کے لیے حدود اور شرائع مقرر کیے جائیں اس لیے اللہ کا لطف و کرم پھر اس کا مقتضی ہوا کہ انہی برگزیدہ نفوس کے ذریعہ سے شرائع اور حدود مقرر کرے۔

مصالح اور مفسد کا یہ علم جو حدود اور شرائع کی جڑ ہے اس میں تمام تر وہ چیزیں ہیں جو معقول المعنی ہیں اور جن کا تعلق بالکلیہ فہم اور تدبیر سے ہے۔ ان میں بعض چیزیں تو ایسی ہیں جن کو عام طور پر لوگ آسانی سے سمجھ سکتے ہیں اور بعض ایسی ہیں جن کے فہم کا دروازہ صرف انہی لوگوں پر کھلتا ہے جن کے قلوب پر انبیاء علیہم السلام کے نورِ علم کا فیضان ہوا اور جنہوں نے اصولِ شرع کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لیا ہو۔

دوسری قسم کا علم شرائع اور حدود اور فرائض کا علم ہے جس میں مقادیر کی توضیح کی گئی ہے۔ شارع

اس علم میں صاف اور واضح طور پر ہم کو بتانا ہے کہ بھلائی کے کام کو نئے میں، کن چیزوں میں بھلائی کی توقع کی جاتی ہے، کونسی علامتیں ہیں جن سے بھلائی پہچانی جاتی ہے۔ انہی چیزوں پر وہ احکام کو دائر کرتا ہے اور لوگوں کو ان کا تکلف نہیں کرتا ہے۔ وہ ارکان اور شروط اور آداب کی تعین سے خیر و صلاح کی ایک ایک نوع کو منضبط کرتا ہے، اور ہر نوع کے لیے ایک حد مقرر کر دیتا ہے کہ اس کو پورا کرنا تو لا محالہ ضروری ہے اور اس سے زائد عمل کرنا ضروری نہیں مگر پسندیدہ ہے۔ اس طرح تکلیف شرعی کا رخ فی نفسہ ان چیزوں کی طرف پھرتا ہے جن میں بھلائی کی توقع ہے، اور احکام کا مدار بالذات وہ چیزیں قرار پاتی ہیں جو بھلائی کی علامات ہیں۔

اس نوع کے علم کا مبع قوانین میاست ملتی ہیں اور اس میں مصلحت یا مفیدہ کی توقع پر جتنی چیزیں کو واجب یا ممنوع قرار دیا گیا ہے وہ سب کی سب ایک منابضہ سے منضبط ہیں، امور محسوس میں سے ہیں اور ایسے کھلے اوصاف سے متصف ہیں جن کو خاص دعام سبحان کہتے ہیں۔

ایجاب اور تحریم کے احکام جن اصول اور قوانین پر مبنی ہیں ان کو تو ہم جان سکتے ہیں، اور ان باتوں میں سے بھی بہتوں کو ہم جانتے ہیں جن کی بنا پر کسی چیز کو واجب اور کسی چیز کو حرام کیا گیا ہے، مگر یہ بات کہ کونسی چیز کس مقدار یا کس تعداد یا کس شکل میں واجب ہے، اور کونسی چیز کس طور پر حرام ہے اس کا تعین عقلی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر منحصر ہے جو ملا، اعلیٰ میں لکھا ہوا ہے اور ہمارے پاس اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ بجز نص شارع کے نہیں ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہم اس قاعدہ طبعی کو تو جانتے ہیں کہ برف بننے کا سبب پانی کو ٹھنڈک پہنچنا ہے۔ مگر یہ بات کہ اس وقت جو پانی سے بھرا ہوا پیالہ ہمارے سامنے رکھا ہے اس کا پانی برف بن گیا ہے یا نہیں، اس کا علم ہم کو اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک کہ یا تو ہم خود اس کا مشاہدہ نہ کریں یا کسی مشاہدہ کرنے والے سے ہم کو اس کی خبر نہ ملے۔ علیٰ ہذا القیاس ہم یہ تو جانتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا کرنے کے لیے بہر حال ایک نصاب ہونا چاہیے،

اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ دو سو درہم اور پانچ دس کی مقدار میں نصاب کے لیے باہل مناسب ہیں کیونکہ ان کا مالک آسانی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے، لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ یہی وہ نصاب ہے جو اللہ نے ہمارے لیے مقرر کیا ہے اور اسی پر اللہ کی خوشنودی و نافرمانی کا مدار ہے۔ یہ بات ہم کو صرف نص شارع ہی سے معلوم ہو سکتی ہے۔

علماء کی ایک معتد بہ جماعت اس بات پر متفق ہے کہ مقادیر کے باب میں قیاس جاری نہیں ہو سکتا۔ ان کے نزدیک قیاس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ کسی مشترک علت کی بنا پر اصل کا حکم فرع میں بھی جاری کر دیا جائے۔ مگر یہ جائز نہیں کہ ہم بطور خود کسی مصلحت کے مظنہ کو علت قرار دے لیں یا کسی چیز کو مناسب دیکھ کر رکن یا شرط ٹھیرا دیں۔ نیز اس پر بھی وہ متفق ہیں کہ محض مصلحت کا موجود ہونا قیاس کے لیے کافی نہیں بلکہ کوئی مضبوط علت ہونی چاہیے جس پر حکم دائر کیا جا چکا ہو۔ مثال کے طور پر کسی ایسے مقیم شخص کو جو کسی حرج میں مبتلا ہو مسافر پر قیاس کر کے نماز اور روزے کی خصوصیات کا مجاز نہیں ٹھیرا جاسکتا، کیونکہ مسافر کو قصر و انظار کی جواز دی گئی ہے اس کی مصلحت لگ بھگ دفع حرج ہی ہے، لیکن یہ اس کی علت نہیں ہے بلکہ شارع نے سفر کو اس کی علت قرار دیا ہے۔

ان مسائل میں علماء کے درمیان اجمالاً تو اختلاف نہیں ہے، مگر تفصیل میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ اکثر ایسے معاملات پیش آتے ہیں جن میں علت پر مصلحت کا شبہ ہوتا ہے۔ ہمارا حال ہے کہ جب قیاس کی گہرائیوں میں گئے تو ان پر حیرت طاری ہو گئی، چنانچہ بعض مقادیر کو انہوں نے بحسنہ باتی رکھنے پر اصرار کیا اور ان سے ملتی جلتی دوسری مقادیر اختیار کرنے سے انکار کر دیا، اور بعض مقادیر کو دوسری مقادیر سے بدلنے میں ان سے تسامح ہو گیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ انہوں نے کپاس کے لیے پانچ گنہا کا نصاب مقرر کیا اور کشتی کے سفر کو دورانِ سفر کا مظنہ ٹھیرا اگر اجازت دے دی کہ اس میں بڑھ کر نماز دے جائے اور ماہِ کثیر کے لیے دس ہاتھ سے دس ہاتھ کی مقدار مقرر کی۔

جب کسی معاملہ میں شریعت ہم کو اپنے حکم کی مصلحت سمجھا دے، اور ہم وہی مصلحت کسی دوسرے معاملہ میں موجود پائیں تو بلاشبہ ہم وہی حکم اس دوسرے معاملہ میں بھی جاری کر سکتے ہیں، کیونکہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا تعلق دراصل اس مصلحت سے ہے، نہ کہ اس خاص معاملہ سے۔ لیکن مقادیر کا مسئلہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ یہاں تعلق خاص انہی مقادیر سے ہے۔ مثال کے طور پر کوئی شخص کسی وقت کی نماز چھوڑ دے تو وہ بہر حال گناہ گار ہو گا چاہے وہ اس وقت ذکر الہی یا کسی دوسری قسم کی عبادت ہی میں کیوں نہ مشغول رہا ہو۔ اسی طرح جو شخص زکوٰۃ مفروضہ ادا نہ کرے، وہ اگر اس سے بہت زیادہ مال کسی کار خیر میں صرف کر دے تب بھی گناہ سے نہ بچ سکے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خلوت میں ریشمی لباس اور سونا پہنے جہاں نہ فقراء کی دل شکنی کا اندیشہ ہے، نہ اس بات کا خوف ہے کہ اس سے لوگوں میں دنیا طلبی کی پیاس بڑھ جائے گی، نہ اس امر کا کوئی امکان ہے کہ دوسروں کے مقابلہ میں اس کی شان اور ترقی کا اظہار ہو، تب بھی وہ گناہ گار ہی ہو گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص دو اسکے طور پر شراب پیے اور اس میں کسی فساد یا ترک صلوٰۃ کا خوف نہ ہو تب بھی گناہ بہر حال اس پر عائد ہو گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ناخوشی نفس ان اشیاء ہی سے وابستہ ہے اس میں شک نہیں کہ غرض اصلی مفسد کا سدھانا اور مصالح کا حصول ہے، لیکن حق تعالیٰ جانتا تھا کہ سیاست امت بغیر اس کے ممکن نہیں ہے کہ نفس ان اشیاء ہی کو واجب یا حرام کیا جائے اس لیے اس کی خوشنودی اور ناخوشی انہی کے ساتھ بالذات متعلق ہوئی۔ بخلات اس کے اگر کوئی شخص ریشم سے بہت زیادہ قیمتی اون کا لباس پہنے یا سونے سے بہت زیادہ قیمتی جواہر کے برتن استعمال کرے، تو وہ فی نفسہ اس فعل سے گناہ گار نہ ہو گا، اس لیے کہ اس نے حکم صحیح کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں کی، البتہ اگر اس کے فعل میں غریبوں کی دشمنی، یا اسراف کی تحریم یا نفاق کا قصد متحقق ہو جائے تو وہ ان مفسد کی وجہ سے رحمت الہی سے دور ہو جائے گا۔

صحابہ کرام اور تابعین رحمہم اللہ کو جہاں کہیں تم ایسا فعل کرتے دیکھو جو مقادیر کی تعیین سے مشابہ

نظر آتا ہو، وہاں سمجھ لو کہ ان کا مقصد دراصل مقادیر کی تعیین نہیں ہے، بلکہ مصلحت کا بیان اور اس کی طرف ترغیب اور مفیدہ کا بیان اور اس سے ترہیب ہے، اور انہوں نے جو خاص صورت کسی حکم کی تجویز کی ہے وہ بطور مثل کے ہے، ان خصوصیت کے ساتھ وہی صورت مقصود نہیں ہے بلکہ دراصل معانی مقصود ہیں، اگرچہ بادی النظر میں ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ صورت کی تعیین مقصود ہے، اور جس جگہ خود شرع نے کسی مقدار کو قیمت سے بدل دینا جائز رکھا ہے، جیسے ایک قول کے مطابق زکوٰۃ میں نبت مخاض کے بجائے اس کی قیمت دینے کی اجازت ہے، تو اس کو تسلیم کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی ایک طرح کی تعیین مقدار ہی ہے، کیونکہ تعیین مقدار میں ایسا استقصاء نہیں کیا جاسکتا جو دائرہ عمل کو تنگ کر دینے کا موجب ہو۔ لہذا بسا اوقات اس طور پر مقدار متعین کی جاتی ہے کہ اس کا اطلاق بہت سی چیزوں پر ہو سکتا ہو جیسے ہی نبت مخاض کہ کبھی ایک نبت مخاض دوسرے نبت مخاض سے زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات قیمت سے مقدار کی تعیین کرنے میں فی الجملہ ایک حد معلوم ہوتی ہے، جیسے چوری میں قطعاً ایک نصاب ایسی چیز کو قرار دیا گیا جس کی قیمت چوتھائی دینا یا تین درہم ہو۔ یہ بھی سمجھ لو کہ ایجاب اور تحریم دونوں تعذیر کی قسم ہے، یہ اس لیے کہ بہت سی چیزیں مصلحت یا مفیدہ نظر آتی ہیں ان کی صورتیں بے شمار ہیں اور ہو سکتی ہیں، لہذا شارع نے چند خاص صورتیں ایجاب کے لیے اور چند خاص صورتیں تحریم کے لیے مبین کر دیں، کیونکہ وہ ایسی صورتیں تھیں جو ضبط میں آ سکتی تھیں یا لوگوں کو ملل سابقہ میں ان کا حال معلوم تھا، یا ان کی طرف انسان فی طبائع زیادہ راغب تھیں، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کے معاملہ میں عذر فرمایا کہ مجھے خوف ہے کہ میں وہ تم پر فرض نہ کر دے گا اور وہاں کے متعلق فرمایا کہ اگر میری امت پر سختی کا خوف نہ ہوتا تو میں اس کو سواک کرنے کا حکم دیتا۔

۱۔ اذن کا وہ بچہ جو ایک سال سے گزر کر دوسرے سال کی رسد داخل ہو چکا ہو۔

۲۔ تعذیر سے مراد تعیین مقادیر ہے۔

پس جب حال یہ ہے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ جن چیزوں کا حکم منصوص نہیں ہے ان کو منصوص پر قیاس کو کے فرض یا حرام قرار دیا جائے۔ رہا مذہب اور کرامت تو اس میں تفصیل ہے۔ ہر وہ مندوب فعل جس کو شارع نے کرنے کا حکم دیا، اور جس کے حکم کی تصحیح کی اور جس کی عہد صحابہ و تابعین کے لوگوں نے پابندی کی اس کا حال وہی ہے جو واجب کا حال ہے۔ اور جس مندوب فعل کی محض مصلحت بیان کرنے پر شارع نے اکتفا کیا، یا جس پر خود شارع نے عمل کیا مگر اس کو دوسروں کے لیے سنت نہیں بنایا، نہ اس کی پابندی پر زور دیا تو وہ اسی حالت پر باقی ہے جس پر تشریح سے پہلے تھا، اس میں جو کچھ بھی اجر ہے وہ اس مصلحت کے لحاظ سے ہے جو اس کے ساتھ وابستہ ہو، نہ کہ نفس فعل کے اعتبار سے۔ یہی تفصیل کروا رہا میں بھی ہے۔ اس مقدمہ کو جب تم اچھی طرح سمجھ لو گے تو تم پر وضع ہو جائیگا کہ بہت سے قیاسی مسائل جن کے لوگ فخر کرتے ہیں اور جن کی بنا پر وہ متبعین حدیث کو مطعون کرتے ہیں، وہ دراصل خود انہی کے لیے دیال ہیں، مگر وہ نہیں جانتے۔

نبی سے اخذ شرع کی کیفیت انہی صلی اللہ علیہ وسلم سے امت نے دو طرح پیریت اخذ کی ہے، ایک اخذ مبرا دوسرے اخذ بطور دلالت۔

اخذ مبرا ہر کی دو صورتیں ہیں۔ متواتر اور غیر متواتر۔

متواتر کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو لفظاً متواتر ہے، مثلاً قرآن عظیم اور چند احادیث جن میں سے ایک یہ حدیث ہے کہ انکم سسترون ربکم کماترون هذا القمر لا تضامون فی سرودا دوسری وہ جو معنی متواتر ہے جیسے طہارت اور نماز اور زکوٰۃ اور روزے اور حج اور بیوع اور نکاح اور غزوات کے کثیر التعداد احکام جن میں مسلمانوں کے تمام فرقے متفق ہیں۔

لہذا جبے مراد کسی کام کی طرف رغبت دلانا اور اس کے کرنے کی طرف دعوت دینا ہے۔ اور مندوب اس کام کو کہتے ہیں جس کی دعوت ^{دیگئی ہو} لہذا تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو کہ اسے دیکھنے کے لیے تمہیں بجوم کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ہر ^{شخص} اپنی اپنی جگہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

رہا غیر متواتر تو اس کے مختلف درجات ہیں۔ اعلیٰ درجہ خبر مستفیض کا ہے، یعنی وہ جس کو کم از کم تین صحابہ نے حضور سے نقل کیا ہو اور اس کے بعد پانچویں طبقہ تک رداۃ کی تعداد برابر بڑھتی چلی جائے۔ اس قسم کی احادیث بکثرت موجود ہیں اور فقہ کے بڑے بڑے مسائل انہی پر مبنی ہیں۔ اس کے بعد ایسی خبریں کا درجہ ہے جس کی صحت یا خن کا فیصلہ اکابر محدثین اور حفاظ حدیث نے بالاتفاق کر دیا ہو۔ پھر ان خبروں کا درجہ ہے جن میں کلام کیا گیا ہو۔ بعض نے قبول کیا ہو اور بعض نے رد کر دیا ہو۔ ان میں سے جس خبر کی تائید پر شواہد موجود ہوں یا جس کی تائید اکثر اہل علم نے کی ہو یا جس کی صحت پر عقل صریح شہاد دیتی ہو اس کا اتباع ضرور کرنا چاہئے۔

اخذ بطور دلالت یہ ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی فعل کرتے دیکھا یا حضور کے کوئی بات سنی۔ اس سے وجوب وغیرہ کا کوئی حکم مستنبط کیا، اور اس استنباط کی بنا پر لوگوں سے کہا کہ فلاں بات واجب ہے اور فلاں جائز۔ پھر تابعین نے صحابہ سے اسی طرح اخذ کیا، اور ان کے بعد تیسرے طبقہ کے لوگوں نے ان کے فتاویٰ اور فیصلوں کو مدون کر دیا۔ اس باب میں جو صحابہ سب سے پیش پیش ہیں وہ حضرات عمر، علی، ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صحابہ سے مشورہ اور بحث کرتے اور کوئی فیصلہ اس وقت تک نہ کرتے تھے جب تک کہ حقیقت بالکل بنے نقاب نہ ہو جاتی اور آپ کو صحت کا وثوق حاصل نہ ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے اکثر فیصلوں اور فتوؤں کو تمام دنیا سے اسلام میں قبول کیا گیا اور اسی بنا پر ابراہیم النخعی نے کہا ہے کہ جب حضرت عمر نے وفات پائی تو علم کے دس حصوں میں سے نو حصے چلے گئے، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر جب کسی طریقہ پر چلتے تو ہم اس کو آسان پاتے تھے۔ بخلاف اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ عموماً مشورہ نہ فرماتے تھے اس لیے آپ کے اکثر فیصلے کو ذہنی تک محدود رہے اور بہت کم لوگوں نے ان کو لیا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی کو ذہنی رہے اور اسی علاقہ کے لوگوں نے

زیادہ تر ان کے فیصلے اختیار کیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ کا عہد گذر جانے کے بعد اجتہاد کیا اور بہت سے احکام میں ان سے اختلاف کیا۔ ان کے فتاویٰ کو زیادہ تر اہل بحران نے لیا ہے جو ان کے شاگرد تھے۔ مگر جمہور اہل اسلام نے ان کے ایسے فتوؤں کو قبول نہیں کیا جن میں وہ منفرد تھے۔ ان چار بزرگوں کے سوا جو صحابہ تھے وہ دلالت پر تو نظر رکھتے تھے، مگر آداب اور سنن کو رکن اور شرط سے ممتاز نہیں کرتے تھے۔ ان میں حضرات ابن عمر، عائشہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اور بعض دوسرے صحابہ شامل ہیں۔

تاہم میں سے بھی چند لوگ اس باب میں نمایاں ہیں مثلاً مدینہ میں سعید بن المسیب، مکہ میں عطاء بن رباح، کوفہ میں ابراہیم انصاری، قاضی شیخ اور شبلی، بصرہ میں حسن رضی اللہ عنہم۔ ان دونوں طریقوں میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ خلل رہتا ہے جس کو دور کرنے کے لیے دوسرے طریقے سے مدد یعنی پڑتی ہے، اس لیے کوئی ایک طریقہ دوسرے طریقہ سے بے نیاز نہیں ہے۔ اخذ ظاہر میں اس طرح خلل واقع ہوتا ہے کہ مثلاً راوی اصل الفاظ بھول گیا اور جو معنی اس کے ذہن میں محفوظ رہے ان کو اس نے دوسرے الفاظ سے ادا کیا جن سے معنی میں کچھ نہ کچھ تغیر ہو گیا۔ یا مثلاً حکم ایک واقعہ خاص میں تھا، راوی نے سمجھا کہ حکم کلی ہے، یا مثلاً کوئی بات تاکید کے ڈھنگ پر کہی گئی تھی تاکہ لوگ اس کی اہمیت سمجھیں اور اس کا اہتمام کریں، راوی نے سمجھا کہ وجوب یا حرمت کا حکم ہے، حالانکہ معاملہ یہ نہ تھا۔ ایسی صورتوں میں صحیح مطلب وہی سمجھتا ہے جو عقیدہ ہو اور اصل واقعہ کی تفصیلات اس کے سامنے ہوں اور قرآن سے حقیقت حال کو سمجھے۔ مثال کے طور پر حد میں مزارعت سے منع کیا گیا ہے اور بھلوں کا حسن دبیج ظاہر ہونے سے پہلے ان کی بیج کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت زید موع محل اور انداز کلام سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سے مراد تحریم نہیں ہے بلکہ حضور کا یہ ارشاد مشورہ کے طور پر تھا۔ دوسرے طرف اخذ بالدلالت میں بھی مختلف صورتوں سے خلل واقع

ہوتا ہے۔ اس میں صحابہ و تابعین کے قیاسات اور کتاب و سنت سے ان کے استنباط کا بڑا دخل ہے اور نیا ہر
 بے کہ اجتہاد ہمیشہ صحیح تو نہیں ہوتا۔ پھر ایسا بھی ہو اے کہ ان کو کوئی حدیث نہیں پہنچی یا اس طور پر پہنچی کہ اس
 سے احتجاج نہیں کیا جاسکتا، اس لیے انہوں نے اسپر عمل نہ کیا، بعد میں کسی دوسرے صحابی کے ذریعہ سے
 صحیح بات معلوم ہوئی جیسے جنابت میں تیمم کا مسئلہ ہے کہ اس میں حضرت عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو غلط فہمی میں
 بہت سے معاملات ایسے ہی جن میں صحابہ رضی عنہم نے محض ولایت عقلی کی بنا پر ایک دوسرے بالاتفاق قائم کر دی تھی حالانکہ
 شیعہ میں ان کی کوئی تصریح نہ تھی اسی کی طرف حضور نے اشارہ فرمایا کہ تم پہری سنت کا التزام کرو اور میرے
 بعد میرے خلفاء راشدین کے طریقہ کی پیروی کرو۔

پس جو شخص اخبار و آثار اور الفاظ حدیث پر وسیع نظر رکھتا ہو وہ ایسی پرخطر راہوں سے بچتا
 گذر سکتا ہے جہاں قیاس و اجتہاد کے قدم پھسل جایا کرتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہ کے لیے ضروری ہے کہ
 وہ دونوں طریقوں میں درک حاصل کرے اور دونوں مذہبوں میں تبحر پیدا کرے۔ اور شعائر ملت میں تہن
 شاروہ ہے جس پر جمہور رواداة اور اکثر جاہلین علم کا اجماع ہو اور جس میں دونوں طریقوں کا تطابق پایا
 جاتا ہو۔

الاصلاح ماہوار

یہ رسالہ قرآنی مطالب و مباحث کیلئے مخصوص ہے اس میں حضرت مولانا عبدالدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ
 کے قرآنی معارف بالاتزام شائع ہوتے ہیں نیز مولانا کے ان ملازمہ کے تحقیقی مقالات بھی ماہ ماہ شائع
 ہوتے ہیں جو مولانا کے اصول پر قرآن پر تدبر کر رہے ہیں اس موضوع سے متعلق یہ ملک و احد رسالہ ہے
 عام ذوق کی تسکین کے لیے سنجیدہ علمی و ادبی دائرہ نری کے موقر علمی رسالوں کے اہم اقتباسات بھی
 شائع کیے جاتے ہیں۔ کاغذ عمدہ کتابت و طباعت و بدہ زیب ضخامت ۴۰ صفحے سالانہ قیمت ۱۰۰ روپے
 منیجر سالہ الاصلح دائرہ حمیدہ سڑک عظیم گڑھ ایوپی،